بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(فنڈامنٹل ازم پر ایک گفتگو)

(۲)

ثالثاً: بائیبل میں احکام عشر (TEN COMMONDMENTS) کے علاوہ کوئی "حدود اللہ" ہیں ہی نہیں۔ بلکہ روزمرّہ کا کام چلانے کے لیے فقہ کے تفصیلی اور جزئی اوامر و نواہی صریح طور پر مفسر اور واعظ پادریوں کے اپنی طرف سے شامل کردہ ہیں۔ ان کا اندازِ بیان اور ان کی استدلالی سطح اور ان کی عقلی قدر و قیمت یہ شہادت نہیں دیتی کہ وہ خدا یا اس کے رسولوں کی باتیں ہیں۔ ان میں نہ اخلاقی رُوح حاد درجہ کمزور ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص مذہب دار طبقے کی سرپرستی اور شکم پُری کا پروگرام ہے۔ نیز ان میں اتنی وقتی اور رسمی سطحیت ہے کہ وہ دَور ہائے مابعد کے لیے انسانی تہذیب کا ضابطہ نہیں بن سکتے۔

جب کہ قرآن میں نہ کسی مذہبی طبقے کی تشکیل کی گئی ہے اور نہ اس کے احکام و حدود عقلی اور سماجی اور اخلاقی لحاظ سے بائیبل کے احکام و حدود کی طرح پست ہیں کہ ان کو انسانوں سے منسوب کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

رابعاً: عیسائیت کے پاس نہ ایسے جامع معتقدات اور اساسی افکار ہیں اور نہ نظامِ زندگی کے نہایت بدیہی اور روشن اُصول ہیں، نہ ہر شعبے کے لیے اصولیات کا کوئی مکمل ڈھانچہ موجود ہے۔

اسلام کو کیسے آپ اس سطح پر لے جا سکتے ہیں، اس کے عقیدے روشن، ایمانیات بدیہی، اصول قاطع اور ہر شعبۂ زندگی کے لیے ہدایات واضح ہیں۔

عیسائیت تو خود عقلی طور پر اتنی کمزور ہے کہ عقلی علوم اس کے لیے چیلنج بن جاتے ہیں۔ وہ عقلی علوم کو اپنے ساتھ ہم آہنگ کر کے نہیں چل سکتی۔

لیکن اسلام ایسی کمزوری نہیں رکھتا۔

خامساً: اسلام میں مظاہر فطرت سے توحید اور رحمتِ خداوندی اور نظم اور قانون کے بارے میں استدلال کرتے ہوئے جو باتیں کہی گئی ہیں وہ جدید سائنس کے بہت سے انکشافات سے اتنی ہم آہنگ ہیں کہ بڑے بڑے سائنس دان حیران ہیں کہ کئی سو سال پہلے قرآن کی دی ہوئی معلومات اور حال کی دریافتوں میں اتنی مطابقت کیوں ہے۔ بعض بلند فہم افراد نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اور اس پر ایمان لانے والے بھی ہیں۔

خصوصاً سائنس، قرآن اور بائیبل ایک مشہور کتاب سامنے آچکی ہے جس میں سائنس سے بائیبل کے تصادم اور سائنس کے ساتھ قرآن کی ہم آہنگی کا اثبات کیا گیا ہے۔

پس اس لحاظ سے بھی فنڈامنٹلزم کے اطلاق کی حدود عیسائیت پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اس سے آگے واقع ہے۔

اِن چند اشارات کو سامنے رکھیں تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ عیسائی پادری جن چیزوں کو فنڈامنٹل کہہ کر سائنسی اور فلسفیانہ علوم سے معرکہ آرا ہوتے تھے۔ اسلام میں ایسی کمزور چیزیں فنڈامنٹل ہیں ہی نہیں۔ لیکن اسلام کے پاس جو فنڈامنٹلز ہیں وہ اس کی حقیقی اور واضح اساسیات ہیں۔ خدا اور رسولؐ، کتاب اور سنت، دنیا اور آخرت، عبادات و معاملات، دینی اوامر و نواہی، حلال و حرام، حدود اللہ، قانونِ شریعت، نصوص اور اجتہاد۔

ہمارا تو سارا سرمایۂ دین ہی فنڈامنٹل ہے۔ اگر ہم فنڈامنٹلز کو چھوڑ دیں تو باقی کچھ رہتا ہی نہیں۔ مسلمان لازمی طور پر فنڈامنٹلسٹ ہوتا ہے، مگر آپ کے ۱۹۲۲ء والے

عیسائی پادریوں کا فنڈامنٹلزازم اور ہے اور ہمارا اور ۔ ہمارے بنیادی عقیدے اور اُصول من جانب اللہ ہیں اور نہایت درجہ عقلی ہیں اور باقی سارا دین اُن پر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا ہمارے ہاں تو مسلمان ہونے کے لیے لازم ہے کہ آدمی اسلام کے لیے فنڈامنٹلسٹ بنے
پھر آپ ۱۹۲۲ء کے امریکی پادریوں کے لیے استعمال ہونے والی ایک ترکیب کو ہم پر کیوں استعمال کرتے ہیں ۔

اصل میں ہمارے اُوپر ۱۹۲۲ء والے پادریوں کے لیے ایجاد شدہ اصطلاح کو ایک نئے ہی تصور و مفہوم سے استعمال کیا جاتا ہے ۔

مغرب کی اقوام اکابر اب اس اصطلاح (فنڈامنٹلزم اور فنڈامنٹلسٹ) کو ہمارے خلاف اسی مفہوم میں استعمال کرتی ہیں کہ مشرق کے مسلمان جو سیکولر زندگی کے قائل نہیں اور سیاسیات و معاشیات تک کو دائرۂ دین میں داخل سمجھتے ہیں، نیز جو قانون قرآن اور احکامِ حدیث کے جملہ نصوص کو دائمی سمجھ کر ان کے نفاذ کے خواہاں ہیں، وہ چونکہ سامراجی اور تہذیبی اور ثقافتی معاملات میں ہماری غلامی اچھی طرح قبول نہیں کر سکتے، لہٰذا ہم اُن کو مذہبی تنگ نظری کا الزام دے کر فنڈامنٹلسٹ قرار دیتے ہیں ۔ ان کے جو بھی طبقے ہماری تہذیبی یلغار کے مقابلے میں اپنے مذہبی اُصول و اقدار کا احیا کرنا چاہیں گے، وہ چونکہ ہمارے مخالف اور مزاحم ہیں، لہٰذا ہم ان کو ذلیل کرنے اور پست قرار دینے کے لیے ایسے الفاظ و اصطلاحات کو اُن پر چسپاں کریں گے جو ان کو انسانیت کے پست مقام پر دکھائیں ۔ جیسے رُوسی ترکستان میں آزادی کی جنگ لڑنے والے مسلمانوں کو بسماچی (ڈاکو) قرار دیا گیا تھا ۔ اور جیسے افغانستان میں روس کی ظالمانہ فوجی تاخت و تاراج کے بعد اس کے خلاف معرکہ آرائی کرنے والوں کے لیے چھاپہ مار کی اصطلاح استعمال کی گئی ۔ اسی طرح ہمارے پاس محبانِ اسلام کے لیے رجعت پسندی

ؔ اگر کوئی مسلمان قوم اپنی آزادی کے لیے رضاکار جاں نثاروں کے ذریعے لڑائی لڑتی ہے تو اُن لوگوں کو چھاپہ مار اور دہشت گرد کہا جاتا ہے ۔

ملائیت، تنگ نظری، ماضی پرستی، سائنس دشمنی اور فنڈامنٹلزم کی گالیوں کا پورا ایک ترکش موجود ہے۔ ہمارے ایک ہاتھ میں کمزور مسلمان قوموں کو عطا کرنے کے لیے روپیہ اور اسلحہ ہے اور دوسرے ہاتھ میں تذلیل و تضحیک کے تیروں کا ایک ترکش بھی ہے، نیز کسی مسلم دشمن قوم کی بڑھتی ہوئی قوت کا بھرا ہوا پستول بھی جو جغرافیائی لحاظ سے مسلمانوں کی گردن ناپنے کے قابل ہو۔

انہی دوہری قوتوں کے زور سے ہم نے مصر کو کیمپ ڈیوڈ کے معاہدے میں پھانسا جس کے نتیجے میں مصری فنڈامنٹلزم کا دم گھٹ رہا ہے۔ یہی حربہ ہم اب پاکستان کے محبانِ اسلام اور فریفتگانِ کتاب و سنت کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ہماری کامیابی کی ضمانت یہ ہے کہ خود پاکستانیوں میں سے بلکہ عین مسلمانوں میں سے محبانِ اسلام کے خلاف ہمارے حربوں کو استعمال کرنے کے لیے مردانِ کار نکل آئے ہیں، بلکہ زنانِ کار بھی۔ اب تو ہماری پسند کی جمہوری حکومت کا اقتدار بھی ہمارا مرغِ دست آموز ہے۔

اِدھر مغرب زدہ طبقہ جسے اسلام کی پوری یا کافی معلومات بھی نہیں اور عملاً بھی وہ اسلامی مبنیات سے نجات یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ اغیار کی ایجاد کردہ متذکرہ بالا ناپاک اصطلاحوں کو ایک اور غرض سے استعمال کرتے ہیں۔

وہ پہلے اپنے معلوماتی دائرے میں اپنے نفس کے تقاضوں اور عادات کے تحت ایک روش اختیار کرتے ہیں، لیکن جب کوئی واقفِ دین آدمی ٹوکتا ہے تو اس کی بات پر غور کرنے کے بجائے اپنے خیالات کے لیے حفاظتی جنگ لڑنے لگ جاتے ہیں اور ناپاک اصطلاحوں کے اسی ترکش کو کھول لیتے ہیں۔ آپ کہیے کہ نماز روزہ ضروری ہے۔ جواب ملے گا کہ یہ کیا اگلے وقتوں کی باتیں ہیں۔ سوال کیجیے کہ عریانی اور فحاشی منع ہے۔ جواب دیں گے کہ عریانی و فحاشی کی پہلے تعریف کیجیے اور سمجھائیے۔ آپ احکام و ہدایات سناتے ہیں تو کہیں گے کہ یہ تو فنڈامنٹلسٹوں کی باتیں ہیں۔ اب تو اجتہاد کا زمانہ ہے اور اجتہاد کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ سیاسی

سازشوں اور انتخابی جوڑ توڑ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیجیے، یا رشوت و خیانت کو ناجائز بتائیے، یا سُود اور قمار پر بحث کیجیے تو آپ خواہ قرآن کی آیات اور احادیث پڑھ پڑھ کر ہر بات کو ثابت کر رہے ہوں، ہمارے جدّت مآب حضرات یہی کہیں گے کہ چھوڑیے صاحب، اب ان آیتوں حدیثوں سے بات نہیں بنے گی، یہ تو ملّائیت ہے۔ ہمارا تعلق سائنسی دور سے ہے، جب کہ خلائی جہاز مریخ اور مشتری تک جا رہے ہیں۔ اب تو بات عقل سے ہوگی کہیے کہ شراب و رقص و سرود کو نہ پھیلاؤ تو جواب ملے گا کہ اس سلسلۂ تفریح کے بغیر تو نہ تعلیم گاہیں چل سکتی ہیں، نہ عام آدمی کے اضطرابات میں کمی آسکتی ہے۔ یہ فطری تقاضے ہیں اور فطری تقاضوں کی راہ میں رکاوٹ صرف ملّا لوگ بنتے ہیں جو جذبۂ بنیاد پرستی کے ساتھ ماضی کا احیا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ماضی کا احیا کبھی نہیں ہوا کرتا، حال ہمیشہ مستقبل کی طرف جاتا ہے، ماضی کی طرف نہیں جاتا۔

غرضیکہ اس طبقے نے زندگی میں اباحیت حاصل کرنے کے لیے ایک جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اس جنگ میں ہتھیار وہی ہیں جو بیسویں صدی کے تنگ نظر عیسائی پادریوں کے خلاف استعمال کئے گئے تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے ناقص، کمزور، محدود، غیر مرتب اور غیر عقلی تصوراتِ مذہب کو جدید عقلیت سے ٹکرا دیا تھا۔

توحضرات! الفاظ اور اصطلاحوں کو استعمال کرتے ہوئے ذرا احتیاط فرمائیے۔

اب چند اشارات خود نظریۂ ارتقاء کے مطابق۔

۱۔ یہ تجرباتی سائنسی عمل کا نتیجہ نہیں کہ آپ نے صراحی میں ایک دھات ڈالی، اسے گرم کیا، پھر اس پر تیزاب ڈالا، پھر گیس نکلی اور آپ نے سلنڈر میں بھر لی۔

یہ مشاہدہ بھی نہیں کہ آپ کے سامنے ایک وقت میں تمام اجزائے علم و بحث موجود ہوں، بلکہ آپ ماضی کی طرف اندازوں سے بڑھ رہے ہیں اور چٹانیں تراش کر کچھ مدفون شکستہ و بوسیدہ ڈھانچے اکٹھے کر رہے ہیں۔ پھر ہر ایک کا زمانہ متعین کرنے کی قیاسی

کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی دریافت کردہ کچھ "کڑیاں" برسوں بنائے استدلال ہونے کے بعد جعلی ثابت ہوئیں، کچھ ابھی زیرِ دریافت ہیں ـــ کچھ اجزا، کچھ وقت کے اندازے، کچھ قیاسات (کہ یوں ہوا ہوگا) اور پھر بھی زنجیرِ تحقیق نامکمل۔

ایسی چیزوں کو قیاسی نظریہ کہتے ہیں، سائنٹفک حقیقت نہیں۔

۲ ـــ اگر محض مشابہتوں سے استدلال کیا جائے اور ماحولی ضروریات کے مطابق مخلوق میں جسمانی تغیرات آنے کا اصول سامنے رکھا جائے تو اتنی سی بات سے یہ قطعی حد تک ثابت نہیں ہوتا کہ سب کا شجرۂ نسب ایک ہے۔ برابر کا ہی یہ امکان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام (SPECIES) کی ابتدا الگ الگ کی ہو۔ یعنی سب کے ابتدائی جرثومے اور بیضے خلق کرکے ارضی ماحول میں بکھیر دیے ہوں۔

۳ ـــ بطورِ خاص انسان میں ہم ایک چیز ایسی پاتے ہیں جو حیوانات کی کسی نوع میں نہیں ہے اور وہ ہے نیکی اور بدی، ظلم اور انصاف، معروف اور منکر کا فرق ـــ خواہ وہ کسی علاقے یا زمانے میں کتنا ہی ابتدائی درجے کا ہو۔ اس ایک امتیاز کی وجہ سے اس کے دماغی خلیات اور مختلف جذباتی مراکز میں خاص فرق ہونا چاہیے۔ اور یہ فرق ہو تو سارے بدن پر اس کے اثرات بھی ہونے چاہئیں۔

باقی تمام حیوانات آرام اور تکلیف یا فائدے اور نقصان یا حصولِ خواہش میں کامیابی اور محرومی کو تو جبلی طور پر جانتے ہیں۔ مگر اخلاقی حاسہ ان میں نہیں ہے۔

یہی امتیاز اس بات کو کافی ہے کہ اس کی تخلیق باقی سلسلۂ عام سے الگ بطورِ خاص ہوئی ہو ـــ کیونکہ اس کو نیابتِ الٰہی یا کارپردازیٔ ارض کی ذمہ داری سونپی جانے والی تھی۔

۴ ـــ اصل مقصود نظریۂ ارتقاء کا یہ تھا اور ہے کہ خدا کے وجود کو بیچ میں سے نکال کر سلسلۂ کون وخلق کا مشینی انداز میں آٹومیٹک طور پر چلنا ثابت کیا جا سکے۔

مگر یہ کوشش ایک ہمہ گیر قانونی نظام کے نافذ العمل ہوتے ہوئے کامیاب نہیں ہوتی۔ اگر قانون ہے تو اس کے لیے عقل وحکمت کو موجود ہونا چاہیے، نیز نفاذِ قانون کے لیے قوتِ حکم وجبر کو بھی ہونا چاہیے۔ نظریہ ارتقاء والے بتائیں کہ یہ دو چیزیں کہاں ہیں؟ شروع میں

اتنے بڑے نقشۂ کونیات کی منصوبہ بندی کس نے کی؟ اس کے لیے سروسامان کس نے کیے؟ اس کے لیے ترتیبِ مراحل کس نے قائم کی؟ قانونِ علت ونتیجہ کس نے مہیا کیا؟ ماحولی اثر اور اس کے ساتھ قانونِ ضرورت اور قانونِ ضرورت کے ذریعے کسی حیوانی وجود میں کسی بھی نوع کی تبدیلیاں کس قوت کے تابع تھیں؟

یہ کونسی قوت ہے جو محض ضرورت پورا کرنے پر اکتفا نہیں کرتی، بلکہ اپنے ہر عمل اور ہر مظہر میں جمال بھی پیدا کرتی ہے؟

۵- کیا ممکن ہے کہ ایک بندر کو ٹائپ مشین پر بٹھا دیا جائے اور ایک لمبا خط اس کے سامنے رکھ دیا جائے کہ وہ ٹائپ کرے۔ قانونِ اتفاق سے یہ تو ممکن ہے کہ ہزار مرتبہ ٹائپ کی کلیدوں پر ہاتھ مارنے سے کبھی کوئی ایک دو حرفی لفظ وجود میں آجائے مگر وہ ساری مرتب عبارت تو دس لاکھ سال میں بھی نہیں لکھی جاسکے گی۔ پھر کائنات کی کسی اندھی قوت کے متعلق سمجھنا کہ وہ قانونِ ضرورت اور قانونِ اتفاق کے تحت سارا پیچیدہ جھمیلا چلا رہی ہے۔ خلائی جہاز اُڑ رہے ہیں، ہارٹ اپریشن ہو رہے ہیں، گردے تبدیل کیے جا رہے ہیں، ایٹم بم بن رہے ہیں۔ یہ ساری ٹیکنالوجی اگر عقل کی وجہ سے ممکن العمل ہے تو پھر نظامِ کائنات اور حیاتِ انسانی کا سلسلہ بلکہ حیوانی اور نباتی اور جمادی موجودات کا دروبست بھی ایک بسیط عقلی وریاضیاتی نظام کے تحت ہے۔ اس کا کوئی تصور آپ خدا کے بغیر کیسے کرسکتے ہیں

آپ ذرا انسانی وجود ہی میں بناوٹوں کو دیکھیے، آنکھ کا تجزیہ کیجیے، کان کا صرف باہر کا حصہ ہی دیکھیے کہ اس کا کیا خاص انداز ہے اور کیوں؟ اگر نمونے کے بغیر آپ کو مصنوعی کان بنا کر لگانا پڑتے تو وہ سیدھا سادا ایک موٹا پردا سا ہوگا، اس کے پیچ وخم کا تو آپ تصور ہی نہیں کرسکتے۔ دورانِ خون کو دیکھیے۔ جسم کے ہر حصے کی ضروریات الگ الگ ہیں اور وہ ہر حصے کو اس کی ضرورت پہنچاتا ہے۔ قدرت کے بنائے ہوئے کمپیوٹر یعنی انسانی دماغ اور اس کے خلیات پر نظر ڈالیے، دل، جگر، گردوں اور ہضم کی مشینری کی کارکردگی اور سسٹم دیکھیے۔ یہ غور کیجیے کہ بڑے بڑے کام کرنے والے اعضا بہت چھوٹے سائز میں ہیں اور ایک ایک کئی کام دیتا ہے۔ ذرا زبان ہی پر غور کیجیے۔

کبھی یہ بھی سوچیئے کہ مادّی ذراتِ دماغ سے غیر مادّی خیالات و جذبات کس طرح رُونما ہو کر ایک طرف سائنسی اور طبّی ترقیات کا ذریعہ بنتے ہیں اور دوسری طرف شعر و ادب اور علم و تحقیق جیسی خدماتِ عالیہ انجام دیتے ہیں۔ پھر دماغ کا نظامِ پیغام رسانی اور موروثی اثرات کا بھی (TAPE SYSTEM) کے تابع ہونا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی نفی کرتا ہے تو دراصل وہ اپنی ہی نفی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مروجہ نظریۂ ارتقاء حقیقتِ عظمیٰ سے ٹکراتا ہے۔

۶۔ انسان کا ظہور اور ارتقاء کس طرح ہوا؟ اس کے بارے میں خود مغربی مفکرین میں آراء مختلف ہیں:

مثلاً ایک رائے تو یہی ہے کہ انسان کی تخلیق کا سلسلہ سب سے الگ ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ انسانی جرثومے و بیضے کسی بیرونی کُرّے سے منتقل ہوئے۔

ایک رائے یہ ہے کہ بڑے بڑے خلائی جہازوں کے ذریعے انسانوں سے زیادہ بھاری بھرکم مخلوق زمین پر اُتری ہے، اور ممکن ہے کہ خود انسان بھی اسی طرح کسی اور سیارے سے آیا ہو۔

لیکن منکرینِ خدا کے گروہ کا دباؤ ہے اور وہ اپنے متعصبانہ زور سے ڈارونی ارتقاء پر نہ صرف بہت لٹریچر شائع کرتے ہیں اور ذرائع ابلاغ سے خوب کام لیتے ہیں، بلکہ تعلیم گاہوں میں بھی انہوں نے اس مضمون کو لازم کرا دیا ہے۔ دوسری طرف نظریۂ ارتقاء سے اختلاف کرنے والوں کے لٹریچر کو دبایا جاتا ہے اور پھیلنے نہیں دیا جاتا۔

۷۔ اصل خطرناک چیز تو وہ نتیجہ ہے جو سوشل ارتقاء کے تحت تاریخ کے لیے نئے اُصول مہیا کرتا ہے۔ مثلاً تاریخی قانون ہے، 'انتخابِ طبیعی' (NATURAL SELECTION) جس کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کا نظام (یہاں پھر قانونی اور عقلی پہلو آگیا) ایسا ہے کہ وہ ناقص اور کمزور موجودات کو ختم کرتا اور توانا اور اصلح کو باقی رکھتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو ہے کہ یہاں بقائے اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا ضابطہ کارفرما ہے۔

اِس قانون کو افراد کی زندگیوں سے اُٹھا کر قوموں اور حکومتوں کی زندگیوں پر چسپاں کر دیا گیا۔ یعنی یہ کہ قانونِ فطرت کا تقاضا ہے کہ کمزور یا کم ترقی یافتہ قوموں کو کچل دیا جائے اور زیادہ قوی اور ترقی یافتہ قوم قوت حاصل کرے تاکہ انسانیت ترقی کرے۔

یہ قانون عین اُس وقت کام آیا جب مغرب کے سامراجی مشرقی اور مُسلم حکومتوں اور قوموں کو نہس نہس کر رہے تھے، دل کھول کر خونریزی اور لوٹ کھسوٹ کی جارہی تھی۔ مزاحمت کرنے والوں کو پھانسیوں پر لٹکایا جارہا تھا۔ اور مقامی مذہبی ادارے اور قومی زبانیں ختم کی جارہی تھیں اور عامۃ الناس کو ذلیل کیا جارہا تھا۔

اِس قانون نے ظالموں کو تھپکی دی کہ شاباش تم کوئی ظلم نہیں کر رہے، بلکہ فطرت کا منشا پورا کر رہے ہو اور بڑی بھاری تاریخی ڈیوٹی انجام دے رہے ہو۔ کمزوروں کو کچل دو۔

اور سوشل ارتقا کا یہی نظریہ روس، امریکہ اور ہر ظالم قوت کے ذہن میں رچا بسا ہے۔ مسلمانوں کا فلسطین چھیننے کے بعد اب نہتے عرب فلسطینیوں کو بے دریغ دریائے خون میں غرق کر رہا ہے، راجیو صاحب کے ہاں مسلمانانِ کشمیر اپنی جگہ اور بھارت کی مُسلم اقلیت اپنی جگہ کچلی جارہی ہے۔ حبشہ میں، برما میں، یونان میں، مورو لینڈ میں، بلغاریہ میں، رُوس میں ـــ ہر جگہ مسلمان اقلیتیں جُرمِ ضعیفی کی سزا بھگت رہی ہیں۔ مگر ان کے ضمیر اور ان کے ایمان ابھی تک زندہ ہیں۔

تاریخ میں ایک نظریہ اگر یہ تباہی اور انسان آزاری پیدا کرتا ہے۔ کمزوروں کے خلاف قوت والوں کو تباہ کاری کے لیے اُٹھاتا ہے۔ فرد اور فرد اور طبقوں کے درمیان ہر قسم کے اخلاقی احساسات کو ختم کر کے یہ روش پیدا کر دیتا ہے کہ طاقت والا کمزور سے فائدہ اُٹھائے تو ایسا فاسد اور فساد انگیز نظریہ برحق نہیں ہو سکتا۔

اس ذلیل نظریے کی مخالفت اگر آدمی کو فنڈا منٹلسٹ بناتی ہے تو سو بار بنائے، بلکہ چھاپہ مار اور ہائی جیکر بھی کہیے، سر آنکھوں پر۔

بس ایک آخری بات یہ سن لیجیے کہ آپ لوگ جو مغربی لبرلزم کے مزے اسلام کے نام پہ اُٹھانا چاہتے ہیں اور سیکولر اسلام کی اصطلاحیں وضع کرتے ہیں، وہ اپنے مشن میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے مسلمانوں کے بچے اور بچیاں جب قرآن میں حدود اللہ کی باتیں پڑھیں گے اور مواعظ اور خطبوں میں اور کتابوں اور تحریروں میں جرائم اور گواہیوں کے معیار اور سزاؤں کے بارے میں آیات بھی عوام کے سامنے آئیں گی اور رسولؐ پاک کی سنت بھی تو وہ آپ کے پروپیگنڈے کو ٹھکرا کر اپنے ضمیروں میں دینی حقائق کو جگہ دیں گے۔ آپ ہزار بار انہیں ملّا اور فنڈامنٹلسٹ اور رجعت پسند اور ہائی جیکر اور وحشی کہیے۔ وہ کسی کی گالیوں کے دباؤ سے اپنے ایمان اور اپنے علم کی نفی نہیں کر سکتے۔ آپ ایک لہر کو دس برس میں روکیں گے پھر دوسری لہر اُٹھے گی، اُسے روکیں گے تو تیسری لہر اُٹھے گی۔ یہی ساری تاریخ میں ہوتا آرہا ہے۔ جب تک اس قوم کے سامنے کوئی گروہ اسلامی اُصول و مقاصد کو عملاً جلوہ گر نہیں کر دیتا اس وقت تک آپ اپنی ہی قوم کی قوتیں برباد کرتے رہیں گے اور اس کے ساتھ خود آپ کی قوتیں بھی برباد ہوتی رہیں گی۔

بہتر یہی ہے کہ آپ اسلامی دین و تہذیب اور اس کے تقاضوں کے خلاف لڑائی بند کر دیں۔ اِس لڑائی میں یزید سے بڑھ کر کوئی جیتنے والا نہیں نکلا اور نہ یزید سے بڑھ کر ہارنے والا کوئی نکلا ہے!